ملّت اور وطن

مولانا سید حسین احمد مدنی

اور

علامہ سر محمد اقبال

منصور حیدر راجہ

کی بحث

مرتبہ

ادارہ روزنامہ شمس ملتان شہر

در مطبع شمس ملتان شہر طبع گردید - قیمت دو آنے ۲/

تمہید

ملیت اور وطنیت کے نظریئے ایک عرصۂ دراز سے ہندوستان میں زیر بحث ہیں۔ اور جب سے یہاں سیاسی بیداری کا آغاز ہوا ہے مسلمان اسی کشمکش میں ہیں کہ انہیں، کس نظریہ کے ماتحت اپنی ہیئت اجتماعی کی تشکیل کرنی چاہیئے۔ کانگرس اپنے آپ کو ایک خالص سیاسی جماعت قرار دیتی ہے اور کسی مذہبی تفریق کو تسلیم نہیں کرتی۔ یعنی وہ ہندوؤں مسلمانوں، سکھوں، عیسائیوں اور پارسیوں کو سیاسی لحاظ سے ایک متحدہ قومیت میں ڈھالنا چاہتی ہے۔ اس بنا پر کہ وہ سب ہندوستان کے رہنے والے ہیں اور ہندوستانی ہیں۔ گویا وہ قومیت کی بنا صرف ہم وطن ہونے پر رکھنا چاہتی ہے اور مذہبی اختلافات کو اس وطنی قومیت کی راہ میں حائل نہیں سمجھتی۔ مسلمانوں کے بعض سیاسی رہنما بھی اسی نظریہ کے قائل ہو چکے ہیں۔ اور وہ مذہب اور سیاست کو الگ الگ حیثیت دیکر ان لوگوں کو جو مذہباً مسلمان ہیں، سیاسی نقطۂ نظر سے متحدہ قومیت میں شریک کرنا چاہتے ہیں۔

اسکے برعکس مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت ایسی ہے جو مذہب اور سیاست کو، ایک دوسرے سے علیحدہ تصور نہیں کرتی اور اپنی ہیئت اجتماعیہ کی تشکیل کو، وطنیت کے بجائے مذہب پر مبنی کرنا چاہتی ہے۔ اس نظریہ کی حامی مسلم لیگ ہے۔ اسوقت اصولی طور پر کانگرس اور مسلم لیگ دونو کے نصب العین، مقاصد اور پروگرام قریب قریب یکساں ہیں۔ دونو کی منزل مقصود آزادی کامل ہے۔ اور اس امر میں بھی دونو متفق ہیں کہ جبتک ہندوؤں اور مسلمانوں میں اتحاد پیدا نہیں ہوتا اسوقت تک حصول مقصد محال ہے۔ لہذا ضروری نظر آرہا ہے کہ دونو جماعتوں کو آخرکار ملکر کام کرنا پڑیگا۔ اب جو عملی اختلاف آن پڑتا ہے تو

اس بات میں کہ آیا مسلمان انفرادی طور پر کانگریس یا مسلم لیگ میں شرکت کا فیصلہ کریں اور فرداً فرداً جس طرح
جس کے جی میں آئے عمل کرے یا سب مسلمان پہلے دینی اشتراک کی بنا پر باہم متحد ہو جائیں اور پھر اجتماعی طور پر
کانگریس کے ساتھ شرکت عمل یا عدم شرکت کا فیصلہ کریں۔

یہ ہے دراصل وہ سوال جو اسوقت ملک کا سب سے اہم سوال ہے اور جس کے مناسب حل پر مسلمانوں کے مستقبل کا دارومدار ہے
یہ مسئلہ سیاسی حیثیت سے تو بہت دنوں سے زیر بحث تھا لیکن پچھلے دنوں حضرت مولانا سید حسین احمد
مدنی مدظلہ العالی شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند نے دہلی میں ایک تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ موجودہ زمانے میں
قومیں وطن سے بنتی ہیں۔ سیاسی مفکرین کے اس نظریہ کو ایک عالم دین کی زبان سے سنکر عالم اسلام کے
مفکر اعظم حکیم الامت حجت الاسلام حضرت علامہ سر محمد اقبال مدظلہ العالی سے ضبط نہ کیا گیا۔ اور انہوں نے تین
اشعار میں اس پر اعتراض فرمایا۔ روزنامہ احسان لاہور میں ان اشعار کا شائع ہونا تھا کہ ملک کے طول و عرض میں
مسئلہ وطنیت پر بحث شروع ہو گئی۔ اس پر حضرت مولانا کی طرف سے اخبارات میں ایک سلسلہ اشاعت پذیر
ہوا جس میں مولانا نے اپنے آپ کو حق بجانب ثابت کرنے کی کوشش فرمائی۔ اس کے جواب میں حضرت علامہ اقبال نے ایک
بیان شائع کرایا ہے جس میں انہوں نے نہایت شرح و بسط سے اپنے نقطۂ خیال کی وضاحت فرمائی ہے۔

مسئلہ کی اہمیت کو مد نظر رکھتے ہوئے ہم نے ضروری سمجھا کہ ان تمام مباحث کو یکجا جمع کر کے ایک رسالہ کی
صورت میں شائع کر دیا جائے۔ تاکہ مسلمان اس مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر غور کر کے صحیح فیصلہ پر پہنچنے کی کوشش کر سکیں

اسی سلسلہ میں جناب اقبال احمد خاں صاحب سہیل ایم اے ایل ایل بی علیگ نے حضرت علامہ کے اشعار کے جواب
میں بیس شعر کی ایک نظم بھی لکھ کر شائع کرائی۔ اور اس کے جواب میں جناب ماہر عثمانی نے چند اشعار لکھے جو روزنامہ
احسان میں شائع ہوئے۔ ناظرین کی ضیافت طبع کیلئے یہ دو نظمیں بھی اس مجموعے میں شامل کر دی گئی ہیں۔

آخر میں مکرر استدعا ہے کہ ان مضامین کو نہایت غور و خوض سے پڑھا جائے اور کسی قسم کی ضد، تعصب یا شخصیت
پرستی سے ذہن کو بالکل پاک کر کے اس بحث کو سمجھنے کی کوشش کیجائے تاکہ صراط مستقیم کیطرف رہبری ہو۔

محمد اکبر خاں

مدیر روزنامہ شمس ملتان شہر

۱۷۔ مارچ ۱۹۳۸ء

مولانا حسین احمد مدنی کا نظریۂ قومیت

از حضرت علامہ سر اقبال مدظلہ العالی

مولانا حسین احمد مدنی (مدظلہ العالی) ایک مشہور و معروف عالم دین ہیں۔ اور دار العلوم دیوبند میں حدیث شریف کا درس دینے پر مامور ہیں لیکن سیاسی رجحانات کے معاملہ میں کانگریس کی طرف مائل ہیں اور اس حد تک مائل ہو چکے ہیں، کہ پچھلے دنوں انہوں نے ایک مقام پر تقریر کرتے ہوئے یہ اعلان فرمایا تھا، کہ قوم یا قومیت کی اساس وطن پر ہوتی ہے۔ یہ فرنگی سیاست کا وہ نظریہ ہے جس سے خود یورپ کے لوگ صدہا سال کے تجربہ کے بعد تنگ آ چکے ہیں۔ اور یہ نظریہ اسلام کی تعلیم کے یکسر منافی ہے جس نے قومیت کی بنیاد جغرافیائی حدود یا نسلی وحدت یا رنگ کی یکسانی کے بجائے شرف انسانی اور اخوت بشری پر رکھی ہے۔ ملک عالم دین کی زبان سے ایسے نظریہ کا اعلان حکیم مشرق علامہ سر اقبال مدظلہ العالی کو بھی ان کی موجودہ علالت کے باوجود متاثر کئے بغیر نہ رہ سکا چنانچہ علامہ ممدوح نے حسب ذیل تین اشعار ارشاد فرمائے جنہیں ہم ہدیہ قارئین کرام کرنے کا فخر حاصل کرتے ہیں۔ (مدیر احسان)

عجم ہنوز نداند رموز دیں، ورنہ،
ز دیوبند حسین احمد! ایں چہ بوالعجبی است
سرود بر سر منبر کہ ملت از وطن است
چہ بے خبر ز مقام محمد عربی است
بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نرسیدی، تمام بولہبی است

(روزنامہ احسان لاہور ۱۴ جنوری ۱۹۳۸ء)

نظریۂ قومیت کی تشریح

حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی کا مکتوب گرامی

حضرت مولانا سے استفسار

محترم المقام حضرت مولانا۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ احسان اخبار میں پہلے آپ کے خلاف یہ قول منسوب کیا گیا کہ "مذہب وملت کا دارومدار وطنیت پر ہے" اس کے بعد اسی موضوع پر اقبال کی ذیل کی نظم شائع ہوئی۔

عجم ہنوز نداند رموز دیں ورنہ ✤	ز دیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی است
سرود بر سر منبر کہ ملت از وطن است ✤	چہ بے خبر ز مقام محمد عربی است
بمصطفےٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست ✤	اگر بہ او نرسیدی تمام بولہبی است

پہلے تو ہم یہی سمجھے کہ جس طرح اخبارات اپنے مخالفین کی نسبت اباطیل واکاذیب شائع کرتے ہیں یہ بھی اسی طرح کی گپ ہے۔ مگر اقبال کا اس خبر کو باور کر لینا اور نظم لکھ مارنا تعجب انگیز معلوم ہوا۔ اور اس کی تردید کو ضروری خیال کیا گیا بنا بریں آپ کو تکلیف دیجاتی ہے کہ آپ اپنے خیالات سے مطلع فرمائیں۔ تاکہ ہم خیال اخبار میں اس غلط پروپیگنڈے کی تردید کردی جائے۔ مجھے اگرچہ ذاتی تعارف کا شرف حاصل نہیں ہوا لیکن نادیدہ نیازمندوں میں شمار فرما کر جواب سے جلدی سرفراز فرمائیے۔

نیازمند۔ . . . .

حضرت مولانا حسین احمد صاحب کا جواب

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج مبارک۔ والا نامہ باعث سرفرازی ہوا۔ میں آپ کی ہمدردانہ محبت کا شکرگزار ہوں بالخصوص اس بنا پر کہ باوجود عدم ملاقات کے استفسار التفات فرماتے ہیں۔ میرے پاس بہت سے خطوط ومضامین اس کے متعلق استفسار کے آئے مگر میں انتہائی درجہ میں عدیم الفرصت ہوں اور اس قسم کے افتراءات اعصاب و شتم کا سیلاب ہر زمانہ میں کم و بیش را اس زمانہ سے جو پہلے تھے

کریں نے تحریکات وطنیہ اور ملیہ میں قدم رکھا ہے برابر جاری ہے۔ اس لئے ایسی باتوں میں وقت صرف کرنا
اضاعت وقت سمجھتا ہوں۔ واذا خاطبہم الجاہلون الآیۃ پر عمل پیرا رہتا ہوں۔ جب کبھی کوئی نہایت اہمیت
ہوتی ہے کچھ لکھ دیتا ہوں۔ میں اس وقت بھی چپ تھا مگر آپ کے دلائل نے مجبور کیا کہ حقیقت واضح کی جائے
اس لئے باوجود عدیم الفرصتی مختلف اوقات میں لکھ کر حسب ذیل مضمون پیش کرتا ہوں اور تاخیر کی معافی کا
خواستگار ہوں۔ اصل واقعہ یہ ہے۔

صدر بازار دہلی متصل ریل پلش زیر صدارت مولانا نور الدین صاحب جلسہ کیا گیا۔ اسمیں اہل محلہ کی طرف
سے ایڈریس پیش کیا گیا اور اس میں میری ملی اور وطنی خدمات کو سراہا گیا۔ جلسہ وعظ و نصیحت کا نہ تھا نہ
اسلامی تعلیمات کے بیان کرنے کا۔ اس روز صبح کو جلسہ مذہبی ہو چکا تھا۔ مولانا نور الدین صاحب نے تین یا چار
برس میں ترجمہ قرآن شریف ختم کیا تھا۔ اسی کی خوشی میں جلسہ ہو چکا تھا اس میں مذہبی تقریر۔ فضائل
قرآن اور اس کی تعلیمات کے متعلق تقریباً دو گھنٹہ تقریر ہو چکی تھی۔ نیز جامع مسجد میں بھی تبلیغ کے متعلق
مذہبی وعظ اس سے پہلے ہو چکا تھا۔ شب کے جلسہ کے اعلان میں یہ طبع کیا جا چکا تھا کہ حسین احمد کو ایڈریس پیش کیا جائیگا۔
ایڈریس کے جلسہ سے لیگیوں اور بالخصوص مولوی مظہر الدین صاحب مدیر الامان کے ہمنواؤں میں انتہائی غصہ پھیلا
ہوا تھا کوشش کی جارہی تھی کہ جلسہ کو درہم برہم کیا جائے جسکو احساس کر کے جناب صدر نے اپنی صدارتی تقریر میں یہ
کہدیا کہ اس جلسہ میں کانگریس یا مسلم لیگ کے متعلق کوئی تقریر نہ ہوگی۔ اس کے بعد میں ایڈریس کے جواب دینے کے لئے
کھڑا ہوا (صدارتی تقریر کے بعد ہی ایڈریس پیش کیا گیا تھا) میں نے بعض ضروری مضامین کے بعد ملک کی حالت، غیر ملکی
ممالک اور غیر اقوام نیز اندرون ملک آزادی کی ضرورت کا تمہیدی مضمون شروع کیا تو کہا کہ

"موجودہ زمانہ میں قومیتیں اوطان سے بنتی ہیں نسل یا مذہب سے نہیں بنتیں۔ دیکھو انگلستان کے بسنے
والے سب ایک قوم شمار کئے جاتے ہیں۔ حالانکہ اس میں یہودی بھی ہیں۔ نصرانی بھی، پروٹسٹنٹ بھی کیتھولک
بھی یہی حال امریکہ، جاپان، فرانس وغیرہ کا ہے۔ الخ"

جو لوگ جلسہ کے درہم برہم کرنے کے لئے آئے تھے اور موقعہ چاہ رہے تھے انہوں نے شور مچانا شروع کیا
میں اس وقت یہ نہیں سمجھ سکا کہ وجہ شور کیا ہے۔ جلسہ جاری رکھنے والے لوگ اور چند آدمی جو کہ شور و غوغا

چاہتے تھے سوال و جواب ہوتے رہے۔ اور چیپ دہرہ وغیرہ کے الفاظ منافی دئے۔ اگلے روز الامان وغیرہ میں چھپا کہ حسین احمد نے تقریر میں کہا کہ قومیت وطن سے ہوتی ہے، مذہب سے نہیں ہوتی۔ اور اس پر شور و غوغا ہوا۔ اس کے بعد اس میں اور دیگر اخباروں میں سب وشتم چھاپا گیا۔ کلام کے ابتدا اور انتہا کو حذف کر دیا گیا تھا۔ اور کوشش کی گئی تھی کہ عام مسلمانوں کو ورغلایا جائے۔ میں اس تحریف اور اتہام کو دیکھ کر چپکا رہ گیا۔ اور تقریر کا بڑا حصہ انصاری اور تیج میں بھی چھپا، مگر اس کو کسی نے نہیں لیا۔ الامان، وحدت، انقلاب، احسان وغیرہ نے لے لیا اور اپنے دلوں کی بھڑاس نکالی۔ ۸ یا ۹ جنوری کے انصاری اور تیج کو ملاحظہ فرمائیے۔

میں نے یہ ہرگز نہیں کہا کہ مذہب و ملت کا دار و مدار وطنیت پر ہے۔ یہ بالکل ہی افترا اور دجل ہے۔ احسان مورخہ ۱۲ جنوری کے صفحہ ۳ پر بھی میرا قول یہ نہیں بتایا گیا، بلکہ یہی کہا گیا کہ قوم یا قومیت کی اساس وطن پر ہوتی ہے۔ اگرچہ یہ بھی غلط ہے مگر یہ ضرور تسلیم کیا گیا ہے کہ مذہب اور ملت کا مدار وطنیت پر ہونا میں نے نہیں کہا۔ شملہ کی چوٹیوں اور نئی دہلی سے تعلق رکھنے والے ایسا افترا اور اتہام کرتے ہی رہتے ہیں۔ اس قسم کی تحریفیں اور سب وشتم ان کے فرائض منصبیہ میں سے ہیں ہی۔ مگر سر اقبال جیسے مہذب اور متین شخص کا ان کی صف میں آ جانا ضرور تعجب خیز امر ہے۔ ان سے میری خط و کتابت نہیں۔ مجھ جیسے ادنیٰ ترین ہندوستانی کا ان کی عالی بارگاہ تک پہونچنا اگر محال نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ اگر غیر مناسب نہ ہو تو ان کی عالی بارگاہ میں یہ شعر ضرور پہونچا دیجئے

هنيئا مريئا غير داء مخامر ۔ لعزة من اعراضنا ما استحلت

افسوس کہ سمجھدار اشخاص اور آپ جیسے عالی خیال تو یہ جانتے ہیں کہ مخالفت کی بنا پر یہ اخبار ہر قسم کی جائز و ناجائز کارروائیاں کرتے رہتے ہیں، ان پر ہرگز اعتماد ایسے امور میں نہ کرنا چاہئے۔ اور سر اقبال موصوف جیسے عالی خیال، حوصلہ مند، مذہب میں ڈوبے ہوئے تجربہ کار شخص کو بیان بتایا، نہ تحقیق کرنے کی طرف توجہ فرمائی آیت۔ اذا جاءکم فاسق بنبأ فتبینوا الآیۃ گویا ان کی نظر سے نہیں گذری۔

سر اقبال صاحب فرماتے ہیں ؎

سرود بر سر منبر کہ ملت از وطن است ۔ چہ بے خبر ز مقام محمد عربی است

کیا انتہائی تعجب کی بات نہیں ہے، کہ ملت اور قوم کو سر اقبال صاحب، ایک قرار دیکر ملت کو وطنیت کی بنا پر نہ ہونے کی وجہ سے قومیت کو بھی اس سے منزہ قرار دیتے ہیں۔ یہ بوالعجبی نہیں ہے، تو کیا ہے۔ زبان عربی اور مقام محمد عربی (علیہ السلام) سے کون بے خبر ہے، ذرا غور فرمائیے۔ میں نے اپنی تقریر میں لفظ قومیت کا کہا ہے۔ ملت کا نہیں کہا ہے۔ دونوں لفظوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ ملت کے معنی شریعت یا دین کے ہیں، اور قوم کے معنی عورتوں اور مردوں کی جماعت یا صرف مردوں کے ہیں۔ قاموس میں ہے الملة بالکسر الشریعة او الدین الخ ملت کی بحث میں ہے نیز قاموس میں ہی ہے القوم الجماعة من الرجال والنساء معاً او الرجال خاصة او تدخله النساء على تبعية۔ الخ قوم، مجمع البحار میں ملت کے معنی ان الفاظ کے ساتھ ذکر کئے گئے ہیں۔ ما شرع الله لعباده على السنة الانبياء علیہم السلام ویستعمل فی جملة الشرائع لا فی احادها ثم اتسعت فاستعملت فی الملة الباطلة فقیل الكفر ملة واحدة الخ

میں نہیں سمجھ سکتا کہ یہ منطق کونسی ہے۔ لفظ قوم، ملت، دین تینوں عربی ہیں ان کے معانی لغت عربی سے پوچھئے، اور دیکھئے کہ کسی لغت عربی کی معتبر کتاب میں قوم اور ملت کو اور علی ہذا القیاس قوم اور دین کو مرادف اور ہم معنے قرار دیا گیا ہے یا نہیں۔ آیات اور احادیث کو ٹٹولئے۔ اور سر صاحب کی بوالعجبی کی داد دیجئے۔ اگر میری تقریر کے سیاق و سباق کو حذف بھی کر دیا جائے۔ اور عبارت میں تحریف کر کے حسب اعلان جریدہ احسان "قوم یا قومیت کی اساس وطن پر ہوتی ہے" بنائی جائے، تب بھی میں نے کب کہا کہ ملت یا دین کی اساس وطن پر ہے۔ پھر سر موصوف کی یہ نسبت سر در بر سر ممبر الخ افترائے محض نہیں ہے تو کیا ہے۔ وہاں کا ان تینوں کا ایک قرار دینا عجمیت اور زبان عربی سے ناواقفیت نہیں ہے تو کیا ہے۔ یا للعجب، ولضیعة الادب۔

آپ مجھ کو ارشاد فرماتے ہیں کہ تو اپنے خیالات سے مطلع کر، جواباً عرض ہے کہ قوم کا لفظ ایسی جماعت پر طلاق کیا جاتا ہے جس میں کوئی وجہ جامعیت کی موجود ہو۔ خواہ وہ مذہبیت ہو یا وطنیت یا نسل یا

پیشہ یا رنگت یا کوئی اور صنعت معنوی یا مادی وغیرہ وغیرہ کہا جاتا ہے۔

عرب قوم عجمی قوم، یونانی قوم، مصری قوم، پختون قوم، فارسی بولنے والی قوم، سب مدوں کی قوم، شیعوں کی قوم، سوچیوں کی قوم، کالوں کی قوم، گوروں کی قوم، صوفیوں کی قوم، دنیاداروں کی قوم وغیرہ وغیرہ یہ محاورات تمام دنیا میں شائع وذائع ہیں، اور زبان عربی بلکہ احادیث وآیات میں بکثرت ایسی وجوہ پر اطلاق لفظ قوم کا پایا جاتا ہے۔ انہیں میں ہندوستانی قوم بھی ہے۔ موجودہ زمانہ میں ہندوستانی قوم بیرونی ممالک میں تمام باشندگان ہندوستان سمجھے جاتے ہیں، خواہ وہ اردو بولنے والے ہوں، یا بنگلہ، خواہ وہ کالے ہوں یا گورے، ہندو ہوں یا مسلمان، پارسی ہوں یا سکھ، انڈین کا لفظ ہر ہندوستانی پر اطلاق کیا جاتا ہے۔ میں ہندوستان سے باہر تقریباً سترہ برس رہا ہوں۔ عرب، شام، فلسطین، افریقہ، مصر، مالٹا وغیرہ میں رہتا ہوا ہر ملک کے باشندوں سے ملنا جلنا، بیٹھنا، اٹھنا ہوا، جرمنی، آسٹرین، ہنگرین، انگریز، فرانسیسی، آسٹریلین، امریکی، روسی، چینی، جاپانی، ترکی، عربی وغیرہ وغیرہ مسلم اور غیر مسلم کے ساتھ سالہا سال ملنا جلنا، نشست وبرخاست کی نوبت آئی۔ اگر یہ لوگ عربی یا ترکی یا فارسی یا اردو سے واقف ہوتے تھے۔ تو بلا ترجمان ورنہ بذریعہ ترجمان گفتگوئیں اور بحثیں ہوتی تھیں۔ سیاسی مسائل، اور مذہبی امور زیر بحث رہتے تھے۔ میں نے بیرونی ممالک نے عام لوگوں کو اسی خیال اور عقیدہ پر پایا کہ وہ ہندوستانی لوگوں کو ایک قوم سمجھتے ہیں اور سب کو باوجود مختلف المذاہب اور مختلف اللسان والالوان ہونے کے ایک ہی لڑی میں پروتے ہیں۔

لغوی معنی اس کے انکاری نہیں۔ عرف اس کا متقاضی ہے پھر اس کے انکار کے کیا معنی ہیں۔ یہ دعوےٰ کہ اسلام کی تعلیم قومیت کی بنیاد جغرافیائی حدود یا نسلی وحدت یا رنگ کی یکسانی کے بجائے شرف انسانی اور اخوت بشری پر رکھتی ہے۔ جیسا کہ مدیر احسان کا دعویٰ ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ کس نص قطعی یا ظنی سے ثابت ہے جس کی بنا پر اختلاف اوطان وغیرہ پر اطلاق لفظ قوم ممنوع ہو۔ لوگوں میں مساوات برتاؤ اور برادرانہ معاملات دوسری چیز ہیں، حالانکہ ان میں بھی امتیاز عرفاً اور شرعاً معتبر ہے اس کے علاوہ تقریر میں تو اسلامی تعلیم اور نظریہ کا ذکر بھی نہ تھا۔

میرے محترم! اس اجنبی اور خود غرض حکومت اور پردیسی خون چوسنے والی قوم نے جس قعر مذلت و ہلاکت، اور قحط و افلاس وغیرہ کے تیرہ و تاریک گڑھے میں تمام ہندوستانیوں کو عموماً اور مسلمانوں کو خصوصاً مرعوب[1] اتارتی جارہی ہے۔ وہ اس قدر ظاہر و باہر ہے۔ کہ اس کے بیان کی حاجت نہیں ہے۔ نیز اس سے آزاد ہونا اور ملک و ملت کی زندگی اور بہبودی کی فکر اور سعی کرنا ہر حیثیت سے سبھوں کا فریضہ ہونا بھی اظہر من الشمس ہے۔ ان دونوں چیزوں سے بجز غبی یا مکابر کوئی شخص بھی منکر نہیں ہو سکتا، اگرچہ اس پردیسی خونخوار قوم سے نجات کے اور بھی ذرائع عقلاً ممکن ہیں مگر جس قدر قوی اور مؤثر ذریعہ تمام ہندوستانیوں کا متفق اور متحد ہو جانا ہے اور کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ اس کے آگے اس حکومت کے جملہ اسلحہ اور تمام قوتیں بالکل بیکار ہیں۔ اور بغیر تعاون عظیم ہندوستانی اپنے مقاصد میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ لہذا اشد ضرورت ہے، کہ تمام باشندگان ملک کو منظم کیا جائے اور ان کو ایک ہی رشتہ میں منسلک کرکے کامیابی کے میدان میں گامزن بنایا جائے۔ ہندوستان کے مختلف عناصر اور متفرق ملل کے لئے کوئی رشتہ اتحاد بجز متحدہ قومیت اور کوئی رشتہ نہیں جس کی اساس محض وطنیت ہی ہو سکتی ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی دوسری چیز نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے، کہ کانگریس نے ابتداء ہی سے اس امر کو اپنے اغراض و مقاصد میں داخل[2] کیا ہے۔ ۱۸۸۵ء میں جبکہ کانگریس کا اولین اجلاس ہوا تو سب سے پہلا مقصد مندرجہ ذیل الفاظ میں ظاہر کیا۔

"ہندوستان کی آبادی جن مختلف اور متضاد عناصر سے مرکب ہے ان سب کو متفق کرکے ایک قوم بنانا" یہی متحدہ قومیت انگلستان کے حلق میں ہمیشہ سے کھٹکتی رہی ہے، اور ہر انگریز اس سے خائف اور اس کے زائل کرنے کیلئے ہر طرح سے ساعی ہے۔ پروفیسر سیلے "ایکسپنشن آف انگلینڈ" میں لکھتا ہے۔

> "اگر ہندوستان میں متحدہ قومیت کا کمزور جذبہ بھی پیدا ہو جائے، اور اس میں اجنبیوں کے نکالنے کی کوئی عملی روح نہ بھی ہو بلکہ صرف اس قدر احساس عام ہو جائے کہ اجنبی حکومت کے اتحاد میں ہندوستانیوں کیلئے شرمناک ہے تو اسی وقت سے ہماری شہنشاہیت کا

* [1] دو ایسے سوال ہیں جنکا ہر شخص طرح دوسرے ہندوستانیوں کو روز افزوں فنا کے گھونٹ

خاتمہ ہو جائیگا کیونکہ ہم درحقیقت ہندوستان کے فاتح نہیں ہیں اور اس پر تھا :
حکمرانی نہیں کر سکتے ہیں، اگر ہم اس طرح کی حکومت کرنی بھی چاہیں گے تو اقتصادی
طور پر قطعاً برباد ہو جائیں گے۔"

حکومت برطانیہ ہمیشہ یہ کوشش مدبران برطانیہ کی جاری رہی ہے، کہ یہ جذبہ کبھی ہندوستانیوں میں پیدا نہ ہونے دیا جائے، اور اگر کبھی اس کی کوئی صورت پیش آ بھی جائے، تو اس کو جلد از جلد برعکس صورت سے تفرقہ ڈلوا کر ختم کر دیا جائے۔ "تفرقہ ڈالو اور حکومت کرو" کی انگریزی پالیسی مشہور ترین مشاہدہ ہے۔ بالخصوص کانگریس کے پیدا ہونے کے بعد تو اس راہ میں انتہائی جد و جہد جاری ہے۔ مسٹر بیک اور مسٹر ماریسن اور مسٹر آکلینڈ کالون وغیرہ کی انتہائی انفرادی مساعی اور پھر ۱۹۰۶ء سے اجتماعی مساعی اس کی شاہد عدل ہیں۔ جس کے ماتحت اور اسی سنہ میں یونائیٹیڈ انڈین پیٹریاٹک ایسوسی ایشن قائم کرائی گئی جس کا مقصد مقاومت کانگریس تھا، اور پھر ۱۸۹۳ء میں محمڈن اینگلو اورینٹل ڈیفنس ایسوسی ایشن آف اپر انڈیا تخلیق کی گئی جس کے مقاصد حسب ذیل قائم کئے گئے۔

(الف) مسلمانوں کی رائیں انگریزوں اور گورنمنٹ ہند کے سامنے پیش کر کے مسلمانوں کے سیاسی حقوق کی حفاظت کرنا۔

(ب) عام سیاسی شورش کو مسلمانوں میں پھیلنے سے روکنا۔

(ج) ان تدبیروں میں امداد دینا جو سلطنت برطانیہ کے استحکام اور سلطنت کی حفاظت میں ممد ہوں۔ ہندوستان میں امن قائم رکھنے کی کوشش کرنا اور لوگوں میں وفاداری کے جذبات پیدا کرنا۔

مسٹر بیک اور مسٹر کالون وغیرہ ہی کی انفرادی مساعی کا نتیجہ تھا کہ سر سید جیسے تیز اور سخت سیاسی کے خیالات پر نہایت زہریلا اثر ڈالا۔ (اسباب بغاوت ہند کے لکھنے والے شخص کے عقائد اور ارادوں کو روند ڈالا اور ہم مساعی سے بالکل ہی جامد اور انگریز پرست خیال کا بنا دیا گیا۔

انہیں مساعی کی بنا پر ۱۹۰۶ء میں وفد مسٹر آرچبولڈ نے گڑھا، اور ... وفد اٹھایا، اور انہیں وجوہ کی بنا پر ۱۹۰۶ء میں متعدد مدبران برطانیہ کی کوشش سے مسلم لیگ کی تخلیق شملہ کے ڈیپوٹیشن

ظہور پذیر ہوئی۔ اور آج تک اسی پالیسی پر گامزن ہے۔ اسی بنا پر بار بار امن سبھائیں قائم کرائی گئیں، اسی بنا پر شدھی اور سنگٹھن کو میدان میں پیش کرایا گیا، مسٹر مالوین اور مسٹر مونجے وغیرہ کی کارروائیاں وغیرہ اگر دیکھنی ہوں۔ تو انسٹی ٹیوٹ گزٹ وغیرہ کے پرچے ملاحظہ ہوں مسلمانوں کو خصوصی طور پر کانگریس سے متنفر کرنے اور اس سے دور کرنے کی پالیسی آج سے نہیں بلکہ ۱۸۸۸ء یا اس سے بھی پہلے سے جاری ہے اور کامیاب ہوتی جاتی ہے۔ آج بھی شراب ارغوانی جو کہ مسلم لیگ کی گھٹی میں ڈالی گئی تھی، اسکے ممبروں کو گورے ہاتھوں سے پلائی جارہی ہے اور وفاداران ازلی اپنے خداوندوں کی مختلف پیرائیوں میں خدمات جلیلہ انجام دیتے ہوئے لیگ کے پلیٹ فارم پر گرجتے اور جمعیۃ العلماء اور دیگر سچے اور مخلص خدام ملت وطن سے نفرت دلاتے ہیں بطوالت کے خوف سے تفصیلی کیفیت اس بیان میں نہیں لاتا۔ اگر آئندہ کوئی موقعہ ملا تو عرض کرونگا۔

مسلمانوں کو ہمیشہ دھوکا دیا گیا۔ اور آج بھی نہایت قوت اور چالاکی سے دیا جارہا ہے۔ ان کو چاہئے کہ گذشتہ تاریخ کا مطالعہ کریں۔ اور اپنے تحفظ اور زندگی کا سامان کریں۔ اہل مطالعہ سے میری پرزور درخواست ہے کہ وہ ضرور بالضرور کتاب (مسلمانوں کا روشن مستقبل) جو کہ ابھی ابھی مطبع نظامی بدایوں میں چھپی ہے منگائیں اور اس کے آئینہ میں انگریزی پالیسی اور مسلم لیگ وغیرہ کی حقیقت اور نام نہاد لیڈروں کی برہنہ تصویر مشاہدہ کریں۔ فاعتبروا یا اولی الالباب۔ والسلام

ننگ اسلاف، حسین احمد غفرلہ

از دارالعلوم دیوبند۔ ۹ رذی الحجہ ۱۳۵۶ھ

(اخبار مدینہ بجنور۔ ۲۱۔ فروری ۱۹۳۸ء)

مِلّت و قوم

رَبِّ اِهْدِ قَوْمِيْ فَاِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ (حدیث نبوی)

جناب اقبال احمد خاں صاحب سہیل ایم اے، علیگ

معاملہ کہ بہ شیخ الحدیث خردہ گرفت — سبک بہ چشمِ خرد زیں سبب بے سببی است

بیانِ او ہمہ تخئیل و بحث در تفسیر — زبانِ او عجمی و کلام در عربی است

زباں بہ طعنۂ پاکاں کشودہ آگہ نے — کہ فرقِ ملّت و قوم از لطائفِ ادبی است

کہ گفت بر سرِ منبر کہ "ملّت از وطن است" — دروغ گوئی و ایراد ایں چہ بوالعجبی است

درست گفت محدّث کہ قوم از وطن است — کہ مستفاد ز فرمودۂ خدا و نبیؐ است

تفاوتیست فراواں میانِ ملّت و قوم — یکے ز کیش و دگر کشوری است یا نسبی است

بہ ملّت ارچہ براہیمی است سرورِ ما — مگر بہ قوم حجازی بہ دودۂ مطّلبی است

ز قومِ خویش شمرد اہلِ بغی را بہ اُحد — رسولِ پاک کہ نامش محمّدِ عربی است

خدائے گفت بہ قرآں "لِکُلِّ قَوْمٍ هَادٍ" — مگر بہ نکتہ کجا پے برد کسے کہ غبی است

بہ اہلِ کفر خطابِ پیمبراں بنگر — پُر از حکایتِ یٰقَوْمِ مصحفِ عربی است

بلند تر بود از قوم رتبۂ ملّت — کہ حبلِ دین قوی تر ز رشتۂ نسبی است

کسیکہ ملّتِ اسلام نورِ سینۂ اوست — برادرست اگر زنگی است ور حلبی است

ولیک فرق مدارا بہ جار و ذی القربیٰ — عمل بہ حکم الٰہی و اتباعِ نبیؐ ست
محبتِ وطن است از شعائرِ ایمان — ہمیں حدیثِ پیمبرؐ فدیتہ بابی است
کنوں بہ ہم وطناں در مصافِ آزادی — مجاہدانہ تعاون جہادِ حق طلبی است
رموزِ حکمتِ ایماں ز فلسفی جُستن — تلاشِ لذتِ عرفاں ز بادہ عنبی ست
بلے نہ دیدن و بادیدہ در در افتادن — دوگونہ شیوہ بوجہلی است و بولہبی ست
خموشی از سخنِ ناسزا گزیدۂ تراست — کہ ہرزہ لاف زدن خیرگی و بے ادبی ست
بہ دیوبند گر اگر نجات می خواہی، — کہ دیوِ نفس سلحشور و دانشِ تو صبی ست

بگیر راہِ حسینؑ احمد ار خدا خواہی
کہ نائب است نبیؐ را و ہم ز آلِ نبیؐ است

(ہفتہ وار ہند کلکتہ، ۲۱ فروری ۱۹۳۹ء)

ملّیت دینی یا قومیّت وطنی؟

سہیل علیگ کی نظم کا جواب

حضرت علامہ اقبال مدظلہ العالی نے مولانا حسین احمد مدنی کے قول سے متاثر ہو کر جو تین آبدار شعر لکھے تھے۔ اس پر دہلی و بجنور کے کانگریسی مسلمانوں کے حلقے بہت آتش زیر پا ہوئے چنانچہ ان اشعار کے جواب میں جناب اقبال احمد خاں سہیل علیگ نے چند اشعار کی ایک نظم الجمعیۃ، انصاری، مدینہ، ہند وغیرہ میں چھپوا کر اقبال کا منہ چڑانے کی کوشش کی سہیل کی نظم کے جواب میں جناب اسد ملتانی نے حسب ذیل نظم ارسال فرمائی ہے، جسے ہم قارئین کرام کی ضیافت طبع کیلئے درج کرتے ہیں۔ جناب اسد ملتانی کا یہ نکتہ قابل داد ہے۔ کہ حضرت اقبال نے تو یہ کہا تھا کہ ؎ بہ مصطفےٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست لیکن سہیل صاحب یہ فرماتے ہیں کہ ؎ بگیر راہ حسین احمد ار خدا خواہی۔ ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے لیے ان دونوں میں سے کس کا پیغام مستند دینی لحاظ سے صحیح ہو سکتا ہے۔ جناب مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جانے کے بجائے مولانا حسین احمد کی راہ اختیار کرنا سہیل صاحب اور دوسرے وطن پرستوں کو مبارک ہو تو ہو لیکن مسلمانوں کیلئے محمد عربی ہی تک رسائی حاصل کرنا عین سعادت و عین مقصد ہے۔ ؎ صدیق کیلئے ہے خدا کا رسول بس۔

(مدیر احسان لاہور)

گفت حضرتِ اقبال شعرِ پاک و بلند ۔۔۔ کہ عین مظہرِ عشقِ محمدِ عربی است

بہ مصطفےٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست ۔۔۔ اگر باو نرسیدی تمام بولہبی است

جوابِ این سخنش گفتہ است کم نظرے — کہ در تصورش اقبال "فلسفی" و "عجمی" است
برای دو بیت نمود است ختمِ قطعۂ خویش — کہ پُر ز زہر زدہ دشنام و از فِ بے ادبی است

بہ دیوبند گرا گر نجات میخواہی — کہ دیو نفس سلحشورِ دانشِ تو صبی است
بگیر راہِ حسین احمد ار خدا خواہی — کہ نائب است نبیؐ را و ہم ز آلِ نبی است

ز آستانِ پیمبرؐ بہ دیوبند شدن — چہ خوب راہِ نجات و عجب خدا طلبی است
ز نورِ حق شدہ بیگانہ مسلمِ ہندی — عجب چراست اگر شکوہ سنجِ تیرہ شبی است
سخن ز معنیِ الفاظِ قوم و ملت نیست — کلام در "وطنیت" ز ردِّ دینِ نبیؐ است

ہمی سہ ز لبہوے سرابِ اہلِ وطن
نگاہِ شوق غلط بیں ز جوشِ تشنہ لبی است

اسد ملتانی

(روزنامہ احسان لاہور، ۲ مارچ ۱۹۳۸ء)

حضرت علامہ سر محمد اقبال کا بیان

اسلام اور قومیت کے مباحثے کے سلسلہ میں مولانا حسین احمد صاحب کے بیان پر تبصرہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔
میں نے اپنے مصرع ؂

سرود بر سر منبر کہ ملت از وطن است

میں لفظ "ملت" "قوم" کے معنوں میں استعمال کیا ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ عربی میں یہ لفظ اور بالخصوص قرآن مجید میں "شرع" اور "دین" کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ لیکن حال کی عربی۔ فارسی اور ترکی زبان میں بکثرت سندات موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ "ملت" "قوم" کے معنوں میں بھی مستعمل ہوتا ہے۔ میں نے اپنی تحریروں میں بالعموم "ملت" بمعنی "قوم" ہی استعمال کیا ہے۔ لیکن، چونکہ لفظ "ملت" کے معنی زیر بحث مسائل پر چنداں موثر نہیں ہیں اس واسطے اس بحث میں پڑے بغیر ہی تسلیم کرتا ہوں۔ کہ مولانا حسین احمد کا ارشاد یہی تھا کہ "اقوام اوطان سے بنتی ہیں"۔

فرنگی نظریہ وطنیت

مجھ کو حقیقت میں مولانا کے اس ارشاد پر کبھی اعتراض نہیں۔ اعتراض کی گنجائش اسوقت پیدا ہوتی ہے۔ جب یہ کہا جائے۔ کہ زمانہ حال میں اقوام کی تشکیل اوطان سے ہوتی ہے۔ اور ہندی مسلمانوں کو مشورہ دیا جائے۔ کہ وہ اس نظریہ کو اختیار کریں۔ ایسے مشورہ سے "قومیت" کا جدید فرنگی نظریہ ہمارے سامنے آتا ہے جس کا ایک اہم دینی پہلو ہے جس کی تنقید ایک مسلمان کیلئے ازبس ضروری ہے۔ افسوس ہے، کہ میری

اعتراض سے مولانا کو یہ شبہ ہوا، کہ مجھے کسی سیاسی جماعت کا پروپاگنڈا مقصود ہے، حاشا وکلا میں نظریۂ وطنیت کی تردید اس زمانہ سے کر رہا ہوں، جب کہ دنیائے اسلام اور ہندوستان میں اس نظریہ کا کچھ ایسا چرچا بھی نہ تھا، مجھ کو یورپین مصنفوں کی تحریروں سے ابتدا ہی سے یہ بات اچھی طرح معلوم ہو گئی تھی، کہ یورپ کی ملوکانہ اغراض اس امر کی متقاضی ہیں کہ اسلام کی وحدت دینی کو پارہ پارہ کرنے کیلئے اس سے بہتر اور کوئی حربہ نہیں، کہ اسلامی ممالک میں فرنگی نظریہ وطنیت" کی اشاعت کی جائے، چنانچہ ان لوگوں کی تدبیر جنگ عظیم میں کامیاب بھی ہو گئی، اور اس کی انتہا یہ ہے کہ ہندوستان میں اب مسلمانوں کے بعض دینی پیشوا بھی اس کے حامی نظر آتے ہیں، زمانے کا الٹ پھیر بھی عجیب ہے، ایک وقت تھا کہ نیم مغرب زدہ پڑھے لکھے مسلمان تفریح میں گرفتار تھے، اب علما اس لعنت میں گرفتار ہیں، شاید یورپ کے جدید نظریے ان کے لیے جاذب نظر ہیں، مگر افسوس

نو نگردد کعبہ را رخت حیات - گر ز افرنگ آیدش لات و منات

سیاسی لٹریچر میں وطن کا مفہوم،

میں نے ابھی عرض کیا ہے، کہ مولانا کا یہ ارشاد کہ "اقوام اوطان سے بنتی ہیں" قابل اعتراض نہیں، اس لیے کہ قدیم الایام سے "اقوام" "اوطان" کی طرف اور "اوطان" "اقوام" کی طرف منسوب ہوتے چلے آئے ہیں، ہم سب ہندی ہیں، اور ہندی کہلاتے ہیں، ہم سب کرۂ ارضی کے اس حصہ میں بود و باش رکھتے ہیں، جو ہند کے نام سے موسوم ہے، علی ہذا القیاس چینی، عربی، جاپانی، ایرانی وغیرہ "وطن" کا لفظ جو اس قول میں مستعمل ہوا ہے، محض ایک جغرافی اصطلاح ہے، اور اس حیثیت سے اسلام سے متصادم نہیں ہوتا، اس کے حدود آج کچھ ہیں، اور کل کچھ، کل تک اہل برما ہندوستانی تھے، اور آج برمی ہیں، ان معنوں میں ہر انسان فطری طور پر اپنے جنم بھوم سے محبت رکھتا ہے، اور بقدر اپنی بساط کے اس کیلئے قربانی کرنے کو تیار رہتا ہے، بعض نادان لوگ اس کی تائید میں "حب الوطن من الایمان" کا فقرہ حدیث سمجھ کر پیش کیا کرتے ہیں، حالانکہ اس کی کوئی ضرورت نہیں، کیونکہ وطن کی محبت انسان کا ایک فطری جذبہ ہے جس کی پرورش کیلئے ثبوت کی کچھ ضرورت نہیں

قلزمانۂ حال کے سیاسی لٹریچر میں "وطن" کا مفہوم محض جغرافی نہیں، بلکہ وطن ایک اصول ہے، ہیئت اجتماعیہ انسانیہ کا، اور اس اعتبار سے ایک سیاسی تصور ہے۔ چونکہ اسلام بھی ہیئت اجتماعیہ انسانیہ کا ایک قانون ہے، اس لئے جب لفظ "وطن" کو ایک سیاسی تصور کے طور پر استعمال کیا جائے، تو وہ اسلام سے متصادم ہوتا ہے۔

اسلام اور ہیئت اجتماعیہ انسانیہ

مولانا حسین احمد صاحب سے بہتر یہ بات کون جانتا ہے کہ اسلام ہیئت اجتماعیہ انسانیہ کے اصول کی حیثیت میں کوئی لچک اپنے اندر نہیں رکھتا، اور ہیئت اجتماعیہ انسانیہ کے کسی اور آئین سے کسی قسم کا راضی نامہ یا سمجھوتہ کرنے کو تیار نہیں، بلکہ اس امر کا اعلان کرتا ہے کہ ہر دستور العمل جو غیر اسلامی ہو، نامقبول اور مردود ہے۔ اس اصول سے بعض سیاسی مباحث پیدا ہوتے ہیں جن کا ہندوستان سے خاص تعلق ہے، مثلاً یہ کہ کیا مسلمان اور قوموں کے ساتھ مل کر نہیں رہ سکتے، یا ہندوستان کی مختلف قومیں باوجود اختلافات کے کسی غرض کے لئے متحد نہیں ہو سکتیں وغیرہ وغیرہ۔ لیکن چونکہ میرا مقصد اس وقت صرف مولانا حسین احمد صاحب کے قول کے دینی پہلو کی تنقید ہے، اس لئے میں ان مباحث کو نظر انداز کرنے پر مجبور ہوں۔

اسلام واحد اجتماعی نظام ہے

اسلام کے مذکورہ بالا دعویٰ پر نقلی دلائل کے علاوہ تجربہ بھی شاہد ہے۔ اول یہ کہ اگر عالم بشریت کا مقصود اقوام انسانی کا امن، سلامتی اور ان کی موجودہ اجتماعی ہیئتوں کو بدل کر ایک واحد اجتماعی نظام قرار دیا جائے، تو سوائے نظام اسلام کے کوئی اور اجتماعی نظام ذہن میں نہیں آسکتا۔ کیونکہ جو کچھ قرآن سے میری سمجھ میں آیا ہے، اس کی رو سے اسلام محض انسان کی اخلاقی اصلاح ہی کا داعی نہیں، بلکہ عالم بشریت کی اجتماعی زندگی میں ایک تدریجی مگر اساسی انقلاب بھی چاہتا ہے، جو اس کے قومی اور نسلی نقطۂ نگاہ کو یکسر بدل کر اس میں خالص انسانی ضمیر کی تخلیق کرے۔ تاریخ ادیان اس بات کی شاہد عادل ہے، کہ قدیم زمانہ میں "دین" "قومی" تھا، جیسے مصریوں، یونانیوں

اور یہودیوں کا، بعد میں "نسلی" قرار پایا جیسے یہودیوں کا۔ مسیحیت نے یہ تعلیم دی۔ کہ "دین" "انفرادی" اور "پرائیویٹ" ہے۔ جس سے بدقسمت یورپ میں یہ بحث پیدا ہوئی۔ کہ "دین" چونکہ پرائیویٹ عقائد کا نام ہے۔ اس واسطے انسانوں کی اجتماعی زندگی کی ضامن صرف "سٹیٹ" ہے۔ یہ اسلام ہی تھا جس نے نوع انسان کو سب سے پہلے یہ پیغام دیا۔ کہ دین نہ "قومی" ہے نہ "نسلی" ہے نہ انفرادی اور پرائیویٹ۔ بلکہ خالصتہً "انسانی" ہے۔ اور اس کا مقصد باوجود تمام فطری امتیازات کے عالم بشریت کو متحد و منظم کرنا ہے۔ ایسا دستور العمل "قوم" اور "نسل" پر بنا نہیں کیا جا سکتا۔ نہ اس کو پرائیویٹ کہہ سکتے ہیں۔ بلکہ اس کو صرف معتقدات پر ہی مبنی کیا جا سکتا ہے۔ صرف یہی ایک طریق ہے۔ جس سے عالم انسانی کی جذباتی، زندگی اور اس کے افکار میں یک جہتی، اور ہم آہنگی پیدا ہو سکتی ہے۔ جو ایک "امت" کی تشکیل اور اس کے بقا کیلئے ضروری ہے۔ کیا خوب کہا ہے مولانا رومیؒ نے ؎

ہم دلی از ہم زبانی بہتر است

مسلمانوں کو بروقت تنبیہ

اس سے علیحدہ رہ کر جو راہ اختیار کی جائے گی وہ وقتی ہوگی۔ اور شرف انسانی کے خلاف ہوگی چنانچہ یورپ کا تجربہ دنیا کے سامنے ہے۔ جب یورپ کی دینی وحدت پارہ پارہ ہو گئی اور یورپ کی اقوام علیحدہ علیحدہ ہو گئیں تو ان کو اس بات کی فکر ہوئی۔ کہ قومی زندگی کی اساس کیا ہو سکتی تھی۔ انہوں نے یہ اساس "وطن" کے تصور میں تلاش کی۔ کیا انجام ہوا۔ اور ہو رہا ہے۔ ان کے اس انتخاب کا؟ لوتھر کی "اصلاح" غیر مسلمہ "عقلیت" کا دور۔ اصول "دین" کا "سٹیٹ" کے امور سے افتراق نہ جنگ۔ یہ تمام قوتیں یورپ کو دھکیل کر کس طرف لے گئیں۔ لادینی دہریت اور اقتصادی جنگوں کی طرف کیا مولانا حسین احمد یہ چاہتے ہیں۔ کہ ایشیا میں بھی اسی تجربہ کا اعادہ ہو؟ مولوی صاحب زمانہ حال میں قوم کیلئے "وطن" کی اساس ضروری سمجھتے ہیں۔ بے شک زمانہ حال نے اس اساس کو ضروری سمجھا ہے۔ مگر صاحب ظاہر ہے۔ کہ یہ کافی نہیں۔ بلکہ محبت اسی اور قسمیں بھی ہیں۔ جو اس قسم کی "قوم" کی تکمیل کیلئے ضروری ہیں۔ مثلاً "دین" کی طرف سے بے پروائی سیاسی

روزمرہ مسائل میں انہماک اور علیٰ ہذا القیاس، اور دیگر موثرات جن کو مدبرین اپنے ذہن سے پیدا کریں، تاکہ ان ذرائع سے اس قوم میں یک جہتی اور ہم آہنگی پیدا ہو سکے مولوی صاحب اس بات کو نظر انداز کر جاتے ہیں، کہ اگر ایسی "قوم" میں مختلف ادیان داخل ہوں۔ یعنی تو رفتہ رفتہ وہ تمام ملتیں مشتعل ہیں اور صرف مادی اس قوم کے افراد میں وجہ اشتراک رہ جاتی ہے۔ کوئی دینی پیشوا تو کیا ایک عام آدمی بھی جو "دین" کو انسانی زندگی کیلئے ضروری جانتا ہے۔ نہیں چاہتا۔ کہ ہندوستان میں ایسی صورت حالات پیدا ہو۔ باقی رہے مسلمان سو افسوس ہے کہ ان سادہ لوحوں کو اس نظریۂ وطنیت کے لوازم اور عواقب کی پوری حقیقت معلوم نہیں اگر بعض مسلمان اس فریب میں مبتلا ہیں۔ کہ "دین" اور "وطن" بحیثیت ایک سیاسی تصور کے یکجا رہ سکتے ہیں۔ تو میں مسلمانوں کو بروقت انتباہ کرتا ہوں۔ کہ اس راہ کا آخری مرحلہ اول تو لادینی ہوگی۔ اور اگر لادینی نہیں۔ تو اسلام کو محض ایک اخلاقی نظریہ سمجھ کر اس کے اجتماعی نظام سے بے پروائی۔

مولانا حسین احمدؒ کا نظریہ وطن

مگر جو فتنہ مولانا حسین احمدؒ کے ارشاد میں پوشیدہ ہے وہ زیادہ دقت نظر کا محتاج ہے، اس لئے میں امید کرتا ہوں، کہ قارئین مندرجہ ذیل سطور کو غور سے پڑھنے کی تکلیف گوارا فرمائیں گے۔ مولانا حسین احمد عالم دین ہیں اور جو نظریہ انہوں نے قوم کے سامنے پیش کیا ہے۔ امت محمدیہ کیلئے اس کے خطرناک عواقب سے وہ بے خبر نہیں ہو سکتے۔ انہوں نے لفظ "قوم" استعمال کیا یا لفظ "ملت" پھر اس لفظ سے اس جماعت کو تعبیر کرنا جو ان کے تصور میں امت محمدیہ ہے، اور اس کی اساس وطن قرار دینا، ایک نہایت دل شکن اور افسوسناک امر ہے۔ ان کے بیان سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ انہیں اپنی غلطی کا احساس تو ہوا ہے۔ لیکن یہ احساس ان کو غلطی کے اعتراف یا اس کی تلافی کی طرف نہیں لے گیا۔ انہوں نے لفظی اور لغوی تاویل سے کام لیکر عذر گناہ بدتر از گناہ کا ارتکاب کیا ہے۔ "ملت" اور "قوم" کے لغوی فرق و امتیاز سے کیا تسلی ہو سکتی ہے؟ "ملت" کو "قوم" سے ممتاز قرار دینا ان لوگوں کی تشفی کا باعث تو ہو سکے جو دین اسلام کے حقائق سے ناواقف ہیں۔ واقعہ

کا رلوگوں کو یہ قول دھوکا نہیں دے سکتا۔

دو خطرناک نظریے

آپ نے سوچا نہیں کہ آپ اس توضیح سے دو غلط اور خطرناک نظریے مسلمانوں کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔

ایک یہ کہ مسلمان بحیثیت "قوم" ہندو ہو سکتے ہیں، اور بحیثیت "ملت" مسلم، اور

دوسرا یہ کہ از روئے "قوم" چونکہ وہ "ہندوستانی" ہیں اس لئے مذہب کو علیحدہ چھوڑ کر انہیں باقی اقوام ہند کی "قومیت" یا "ہندوستانیت" میں جذب ہو جانا چاہئے۔ یہ صرف "قوم" اور "ملت" کے الفاظ کا فرق ہے۔ ورنہ نظریہ وہی ہے جس کا اوپر ذکر ہوا، اور جس کے اختیار کیلئے اس ملک کی اکثریت اور اس کے رہنما آئے دن یہاں کے مسلمانوں کو تلقین کرتے رہتے ہیں۔

یعنی یہ کہ مذہب اور سیاست جدا جدا چیزیں ہیں اس ملک میں رہنا ہے۔ تو مذہب کو محض انفرادی اور پرائیویٹ چیز سمجھو۔ اور اس کو افراد تک ہی محدود رکھو سیاسی اعتبار سے مسلمانوں کو کوئی دوسری علیحدہ قوم نہ تصور کرو۔ اور اکثریت میں مدغم ہو جاؤ۔

مولانا کی زمین اور آسمان

مولانا نے بظاہر یہ کہہ کر کہ "میں نے لفظ ملت" اپنی تقریر میں استعمال نہیں کیا۔ میں ملت کو تو دینی قوم سے بالاتر سمجھتا ہوں۔ دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ گویا اگر قوم زمین ہے، تو ملت بمنزلہ آسمان ہے۔ لیکن معناً اور عملاً آپ نے ملت کی اس ملک میں کوئی حیثیت نہیں چھوڑی، اور آٹھ کروڑ مسلمانوں کو یہ وعظ فرما دیا ہے، کہ ملک و سیاست کے اعتبار سے اکثریت میں جذب ہو جاؤ "قوم" "قومیت" کو آسمان بناؤ، دین خطرت "زمین" بنتا ہے تو بننے دو۔

مولانا نے یہ فرض کر کے کہ مجھے "قوم" اور "ملت" کے معانی میں فرق معلوم نہیں، اور شعر لکھنے سے پہلے جہاں میں نے مولانا کی تقریر کی اخباری رپورٹ کی تحقیق نہ کی۔ وہاں "قاموس" کی ورق گردانی بھی نہ کر سکا۔ مجھے زبانِ عربی سے بے بہرہ ہونے کا طعنہ دیا ہے۔ یہ طعنہ سر اور آنکھوں

ہے لیکن کیا اچھا ہوتا اگر مبری خاطر نہیں، تو عامۃ المسلمین کی خاطر قاموس سے گذر کر قرآن حکیم کی طرف مولانا رجوع کر لیتے۔ اور اس خطرناک دنیا اسلامی نظریہ کو مسلمانوں کے سامنے رکھنے سے پیشتر خدائے پاک کی نازل کردہ مقدس وحی سے بھی استشہاد فرماتے۔ مجھے تسلیم ہے۔ کہ میں عالم دین نہیں نہ عربی زبان کا ادیب ؎

قلندر جز دو حرف لا الہ کچھ بھی نہیں رکھتا ۔ فقیہ شہر قارون ہے لغت ہائے حجازی کا

قاموس اور قرآن پاک

لیکن آپ کو کونسی چیز مانع آئی کہ آپ نے صرف قاموس پر اکتفا کی؟ کیا قرآن پاک میں، سینکڑوں جگہ لفظ قوم استعمال نہیں ہوا؟ کیا قرآن میں ملت کا لفظ متعدد بار نہیں آیا؟ آیات قرآن میں قوم و ملت سے کیا مراد ہے؟ اور کیا جماعت محمدیہ کیلئے ان الفاظ کے علاوہ لفظ امت بھی قرآن میں آیا ہے۔ اور کیا یہ درست ہے اختلاف ہے۔ کہ ایک ہی قوم اس اختلاف معانی کی بنا پر ایسی مختلف حیثیتیں رکھے۔ کہ دینی یا شرعی اعتبار سے تو وہ نوامیس الٰہیہ کی پابند ہو، اور ملکی اور وطنی اعتبار سے کسی ایسے دستور العمل کی پابند ہو، جو ان دستور عمل سے مختلف بھی ہو سکتا ہے؟

مجھے یقین ہے۔ کہ اگر مولانا قرآن سے استشہاد کرتے تو اس مسئلہ کا حل خود بخود ان کی آنکھوں کے سامنے آجاتا۔ آپ نے الفاظ کی جو لغت بیان فرمائی۔ وہ بہت حد تک درست ہے۔ قوم کے معنی جماعۃ الرجال فی الاصل دون النساء ہے۔ گویا لغوی اعتبار سے عورتیں قوم میں شامل نہیں۔ لیکن قرآن حکیم میں جہاں قوم موسیٰ اور قوم عاد کے الفاظ آئے ہیں۔ وہاں ظاہر ہے۔ کہ عورتیں اس کے مفہوم میں شامل ہیں۔ ملت کے معنی بھی دین و شریعت کے ہیں۔ لیکن سوال ان دونوں لفظوں کے لغوی معانی کے فرق کا نہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا مسلمان

اولاً اجتماعی اعتبار سے واحد و متحد اور معین جماعت ہیں جس کی اساس توحید اور ختم نبوت پر ہے۔ یا کوئی ایسی جماعت ہیں۔ جو نسل و ملک یا رنگ و لسان کے مقتضیات کے ماتحت اپنی ملی وحدت چھوڑ کر کسی اور نظام و قانون کے ماتحت کوئی اور ہیئت اجتماعیہ بھی اختیار کر سکے

ہیں؟

ثانیاً کیا ان معنوں میں بھی قرآن حکیم نے اپنی آیات کو کہیں لفظ قوم سے تعبیر کیا ہے۔؟
یا صرف لفظ ملت یا امت ہی سے پکارا گیا ہے؟۔

ثالثاً اس ضمن میں وحی الٰہی کی دعوت کس لفظ کے ساتھ ہے، کیا یہ کسی آیت قرآنی میں آیا ہے کہ اے لوگو! یا اے مومنو! قوم مسلم میں شامل ہو جاؤ۔ یا اس کا اتباع کرو۔ یا یہ دعوت صرف ملت کے اتباع و امت میں شمولیت کی ہے؟

قرآن کریم میں ملت کا مفہوم

جہاں تک میں دیکھ سکا ہوں قرآن حکیم میں جہاں جہاں اتباع و شرکت کی دعوت ہے وہاں صرف لفظ ملت یا امت وارد ہوا ہے کسی خاص قوم کے اتباع یا اس میں شرکت کی دعوت نہیں۔ مثلاً ارشاد ہوتا ہے۔ ومن احسن دینا ممن اسلم وجھہ للّٰہ وھو محسن واتبع ملۃ ابراھیم حنیفاً - واتبعت ملۃ اٰبائی ابراھیم - فاتبعوا ملۃ ابراھیم حنیفا

اور یہ اتباع و اطاعت کی دعوت اس لئے ہے کہ ملت نام ہے ایک دین کا، یا ایک شرع و منہاج کا۔ قوم چونکہ کوئی شرع و دین نہیں۔ اس لئے اس کی طرف دعوت اور اس سے تمسک کی ترغیب عبث تھی۔ کوئی گروہ ہو۔ خواہ وہ قبیلہ کا ہو، نسل کا ہو۔ ملکوں کا ہو، تاجروں کا ہو، ایک شہر والوں کا، جغرافیائی اعتبار سے ایک ملک یا وطن والوں کا ہو۔ وہ محض گروہ ہے۔ رجال کا یا انسانوں کا۔ وحی الٰہی یا نبی کے نقطۂ خیال سے ابھی وہ گروہ ہدایت یافتہ نہیں ہوتا۔ اگر وہ وحی یا نبی اس گروہ میں آئے، تو وہ اس کا پہلا مخاطب ہوتا ہے۔ اس لئے اس کی طرف منسوب بھی ہوتا ہے۔ قوم نوح ع، قوم موسے ع، قوم لوط ع۔ لیکن اگر کسی گروہ کا مقتدا کوئی بادشاہ یا سردار ہو، تو وہ اس کی طرف بھی منسوب ہوگا۔ مثلاً قوم عاد، قوم فرعون۔ اگر ایک ملک میں دو گروہ اکٹھے ہو جائیں۔ اور اگر وہ متضاد قسم کے رہنماؤں کے گروہ ہوں، تو وہ دونوں سے منسوب ہو سکتے ہیں۔ مثلاً جہاں قوم موسے تھی وہاں قوم فرعون بھی تھی قال الملاء من قوم فرعون انتم موسیٰ و قومہ۔

لیکن ہر مقام پر جہاں قوم کہا گیا، وہاں وہ گروہ عبارت تھا۔ جو ابھی ہدایت یافتہ اور غیر ہدایت یافتہ سب افراد پر مشتمل تھا جو افراد پیغمبر کی متابعت میں آتے گئے، توحید تسلیم کرتے گئے وہ اس پیغمبر کی ملت میں آگئے، اس کے دین میں آگئے، یا واضح تر معنوں میں مسلم ہو گئے۔ یاد رہے کہ دین اور ملت کفار کی بھی ہو سکتی ہے۔ انی ترکت ملة قوم لا یومنون باللہ

ایک قوم کی ایک ملت یا اس کا منہاج تو ہو سکتا ہے لیکن ملت کی قوم کہیں نہیں آیا۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ خدا نے قرآن میں ایسے افراد کو جو مختلف اقوام اور ملل سے نکل کر ملت ابراہیمی میں داخل ہو گئے، ان کو داخل ہونے کے بعد لفظ قوم سے تعبیر نہیں کیا، بلکہ "امت" کے لفظ سے۔

بنی نوع آدم کی تقسیم

ان گذارشات سے میرا مقصد یہ ہے کہ جہاں تک میں دیکھ سکا ہوں قرآن کریم میں مسلمانوں کے لئے "امت" کے اور کوئی لفظ نہیں آیا، اگر کہیں آیا ہو تو ارشاد فرمائیے۔ "قوم" رجال کی جماعت کا نام ہے۔ اور یہ جماعت بہ اعتبار قبیلہ، نسل، رنگ، زبان، وطن اور اخلاق ہزار جگہ اور ہزار رنگ میں پیدا ہو سکتی ہے۔ لیکن "ملت" سب جماعتوں کو تراش کر ایک نیا اور مشترک گروہ بنا لے گی، گویا ملت یا امت جاذب ہے۔ اقوام کی خود ان میں جذب نہیں ہو سکتی۔

عہد حاضر کے ہندوستان کے علما کو حالات زمانہ نے وہ باتیں کرنے اور دین کی ایسی تاویلیں کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔ جو قرآن یا نبی امی کا منشا ہرگز نہ ہو سکتی تھیں۔ کون نہیں جانتا کہ حضرت ابراہیمؑ سب سے پہلے پیغمبر تھے جن کی وحی میں قوموں، نسلوں اور وطنوں کو بالائے طاق رکھا گیا۔ بنی نوع آدم کی صرف ایک تقسیم کی گئی۔ موحد و مشرک۔ اس وقت سے لیکر دو ہی ملتیں دنیا میں ہیں۔ تیسری کوئی ملت نہیں۔ کعبۃ اللہ کے محافظ آج دعوت ابراہیمی اور دعوت اسمٰعیلی سے غافل ہو گئے۔ قوم اور قومیت کی رو اڑ رہنے والوں کو اس ملت کے بانیوں کی وہ دعا یاد نہ آئی۔ جو اللہ کے گھر کی بنیاد رکھتے وقت ان دو پیغمبروں نے کی۔

واذ یرفع ابراھیم القواعد من البیت و اسمٰعیل۔ ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم ربنا واجعلنا مسلمین لک ومن ذریتنا امۃ مسلمۃ لک۔

الکفرۃ ملۃ واحدۃ

کیا خدا کی بارگاہ سے امت مسلمہ کا نام رکھوانے کے بعد بھی یہ گنجائش باقی تھی کہ آپ کی ہیئت اجتماعی کا کوئی حصہ کسی، عربی، ایرانی، افغانی، انگریزی، مصری یا ہندی قومیت میں جذب ہو سکتا۔ امت مسلمہ کے مقابل میں تو صرف ایک ہی ملت ہے اور وہ الکفرۃ ملۃ واحدۃ کی ہے۔

امت مسلمہ جس دین فطرت کی حامل ہے، اس کا نام دین قیم ہے۔ دین قیم کے الفاظ میں ایک عجیب و غریب لطیفہ قرآنی مخفی ہے۔ اور وہ یہ کہ صرف دین ہی مقوم ہے، اس گروہ کے امور معاشی اور معادی کا جو اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی اس کے نظام کے سپرد کر دے۔ بالفاظ دیگر یہ کہ قرآن کی رو سے حقیقی تمدنی یا سیاسی معنوں میں قوم دین اسلام سے ہی تقویم پاتی ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن صاف صاف اس حقیقت کا اعلان کرتا ہے کہ کوئی دستور العمل جو غیر اسلام ہو، نامقبول و مردود ہے۔

ایک اور لطیف نکتہ بھی مسلمانوں کے لئے قابل غور ہے، کہ اگر وطنیت کا جذبہ ایسا ہی اہم اور قابل قدر تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض اقارب اور ہم نسلوں اور ہم قوموں کو آپ سے پرخاش کیوں ہوئی، کیوں نہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اسلام کو محض ایک ہمہ گیر معمولی ملت سمجھ کر بلحاظ قوم یا قومیت ابوجہل اور ابولہب کو اپنا ہی رکھا، اور ان کی دلجوئی کرتے رہے، بلکہ کیوں نہ عرب کے سیاسی امور میں ان کے ساتھ قومیت وطنی قائم رکھی، اگر اسلام سے مطلق آزادی مراد تھی، تو آزادی کا نصب العین تو قریش مکہ کا بھی تھا، مگر افسوس آپ اس نکتہ پر غور نہیں فرماتے کہ پیغمبر خدا کے نزدیک اسلام دین قیم امت مسلمہ کی آزادی مقصود تھی، جن کو چھوڑ کر یا ان کو کسی دوسری ہیئت اجتماعیہ کے تابع رکھ کر کوئی اور آزادی چاہنا بے معنی تھا۔ ابوجہل اور ابولہب یا امت مسلمہ کبھی آزادی سے پھولتا پھلتا نہیں دیکھ سکتے تھے کہ بشمول انصار ان سے نزاع درپیش آئی محمد (فداہ ابی و امی) کی قوم آپ کی بعثت سے پہلے قوم تھی اور آزاد تھی لیکن جب محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی امت بننے لگی، تو اب قوم کی حیثیت ثانوی رہ گئی، جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت میں آ گئے، وہ خواہ ان کی قوم میں سے تھے، یا دیگر اقوام سے وہ ارتب امت مسلمہ یا امت محمدیہ میں شامل ہو گئے۔ پہلے وہ ملک و نسب کے گرفتار تھے، اب الملک لله و لله [illegible]

کا گرفتار ہو گیا۔ ؎

کسے کہ پنجہ زد ملک و نسب را ۔ نداند نکتۂ دین عرب را
اگر قوم از وطن بودے محمدؐ ۔ ندادے دعوت دیں بولہب را

مقام محمدی

حضور رسالت مآب کے لئے یہ راہ بہت آسان تھی کہ آپ بولہب، یا ابوجہل یا کفار مکہ سے یہ فرماتے کہ تم اپنی بت پرستی پر قائم رہو، ہم اپنی خدا پرستی پر قائم رہتے ہیں۔ مگر اس نسلی اور وطنی اشتراک کی بنا پر جو ہمارے اور تمہارے درمیان موجود ہے، ایک وحدت عربیہ قائم کی جا سکتی ہے۔ اگر حضور نعوذ باللہ یہ راہ اختیار کرتے تو اس میں شک نہیں کہ یہ ایک وطن دوست کی راہ ہوتی، لیکن نبی آخر الزمان کی راہ نہ ہوتی۔ نبوت محمدیہ کی غایت الغایات یہ ہے کہ ایک ہیئت اجتماعیہ انسانیہ قائم کی جائے جس کی تشکیل اس قانون الٰہی کے تابع ہو جو نبوت محمدیہ کو بارگاہ الٰہی سے عطا ہوا تھا۔ بالفاظ دیگر یوں کہئے کہ بنی نوع انسان کی اقوام کو باوجود شعوب و قبائل اور الوان و السنہ کے افتراقات کو تسلیم کر لینے کے ان کو ان تمام آلودگیوں سے منزہ کیا جائے، جو زمان، مکان، وطن، قوم، نسل، نسب، ملک وغیرہ کے ناموں سے موسوم کی جاتی ہیں، اور اس طرح اس پیکر خاکی کو وہ ملکوتی تخیل عطا کیا جائے جو اپنے وجود کے ہر لحظہ میں "ابدیت" سے ہم کنار رہتا ہے۔ یہ ہے مقام محمدی، یہ ہے نصب العین ملت اسلامیہ کا۔ اس کی بلندیوں تک پہنچنے تک معلوم نہیں حضرت انسان کو کتنی صدیاں لگیں۔ مگر اس میں بھی کچھ شک نہیں کہ اقوام عالم کی باہمی مغائرت دور کرنے اور باوجود شعوبی قبائلی نسلی لونی اور لسانی امتیازات کے ان کو یکرنگ کرنے میں جو کام تیرہ سو سال میں کیا ہے، اور دیگر ادیان سے تین ہزار سال میں بھی نہیں ہو سکا۔ یقین جانئے کہ دین اسلام ایک پوشیدہ اور غیر محسوس حیاتی اور نفسیاتی عمل ہے جو بغیر کسی تبلیغی کوششوں کے بھی عالم انسانی کے فکر و عمل کو متاثر کر سکنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ ایسے عمل کو حال کے سیاسی مفکرین کی جدت طرازیوں سے مسخ کرنا ظلم عظیم ہے بنی نوع انسان پر اور اس نبوت کی ہمہ گیری پر جس کے قلب و ضمیر سے اس کا آغاز ہوا۔

مولانا حسین احمد کے بیان کا وہ حصہ جس میں آپ نے مدیر "احسان" سے اس بات کی تائید میں نص طلب کی ہے کہ ملت اسلامیہ شرف انسانی اور اخوت بشری پر موسس ہے بہت سے مسلمانوں کے لئے تعجب خیز ہوگا۔ لیکن

تین گمراہیاں

میرے لئے چنداں تعجب خیز نہیں، اس لئے کہ مصیبت کی طرح گمراہی بھی تنہا نہیں آتی۔ جب کسی مسلمان کے دل و دماغ پر وطنیت کا وہ نظریہ غالب آجائے، جس کی دعوت مولانا دے رہے ہیں، تو اسلام کی اساس میں طرح طرح کے شکوک پیدا ہونا ایک لازمی امر ہے۔ وطنیت سے قدرتاً افکار حرکت کرتے ہیں۔ اس خیال کی طرف کہ بنی نوع انسان اقوام میں اس طرح بٹے ہوئے ہیں کہ ان کا نوعی اتحاد امکان سے خارج ہے۔ اس دوسری گمراہی سے جو وطنیت سے پیدا ہوتی ہے "ادیان کی اضافیت کی لعنت پیدا ہوتی ہے، یعنی یہ تصور کہ ہر ملک کا دین اس ملک کیلئے خاص ہے، اور دوسری اقوام کے طبائع کے موافق نہیں۔ اس تیسری گمراہی کا نتیجہ سوائے لادینی اور دہریت کے اور کچھ نہیں۔

انسان کا نصب العین

یہ ہے نفسیاتی تجزیہ اس تیرہ بخت مسلمان کا جو اس روحانی جذام میں گرفتار ہو جائے۔ باقی رہا نص کا معاملہ میں سمجھتا ہوں کہ تمام قرآن ہی اس کیلئے نص ہے۔ الفاظ شرف انسانی کے متعلق کسی کو دھوکا نہیں ہونا چاہیے۔ اسلامیات میں ان سے مراد وہ حقیقت کبریٰ ہے جو حضرت انسان کے قلب و ضمیر میں ودیعت کی گئی ہے۔ یعنی یہ کہ اس کی تقویم فطرۃ اللہ سے ہے، اور اس شرف کا غیر ممنون یعنی غیر منقطع ہونا منحصر ہے، اس تڑپ پر جو توحید الٰہی کے لئے اس کے رگ و ریشے میں مرکوز ہے۔ انسان کی تاریخ پر نظر ڈالو ایک ناختتامی سلسلہ ہے، باہم آویزیوں کا، خون ریزیوں کا اور خانہ جنگیوں کا۔ کیا ان حالات میں عالم بشریت میں ایک ایسی امت قائم ہو سکتی ہے جس کی اجتماعی زندگی امن اور سلامتی پر موسس ہو؟ قرآن کا جواب ہے کہ ہاں ہو سکتی ہے، بشرطیکہ توحید۔

الٰہی کو انسانی فکر و عمل میں حسب منشائے الٰہی مشہود کر دکھانا انسان کا "نصب العین" قرار پائے۔ ایسے نصب العین کی تلاش اور اس کا قیام سیاسی تدبر کا کرشمہ نہ سمجھئے، بلکہ یہ رحمۃ للعالمین کی ایک شان ہے کہ نوع بشری کو ان کے تمام خود ساختہ تفوقوں اور فضیلتوں سے پاک کرکے ایک "ایسی امت" کی تخلیق کی جائے جس کو "امۃ مسلمۃ لک" کہہ سکیں، اور اس کے فکر و عمل پر "شہداء علی الناس" کا خدائی ارشاد صادق آسکے۔

قادیانی افکار کا تتبع

حقیقت یہ ہے کہ مولانا حسین احمد یا ان کے دیگر ہم خیالوں کے افکار میں نظریہ وطنیت ایک معنی میں دینی حیثیت رکھتا ہے۔ جو قادیانی افکار میں "انکار خاتمیت" کا۔ نظریہ وطنیت کے حامی بالفاظ دیگر یہ کہتے ہیں کہ امت مسلمہ کیلئے ضروری ہے کہ وہ وقت کی مجبوریوں کے سامنے ہتھیار ڈال کر اپنی اس حیثیت کے علاوہ جس کو قانون الٰہی ابد الآباد تک متعین و متشکل کر چکا ہے، کوئی اور حیثیت بھی اختیار کرے۔ جس طرح قادیانی نظریہ ایک جدید نبوت کی اختراع سے قادیانی افکار کو ایسی راہ پر ڈال دیتا ہے۔ کہ اس کی انتہا نبوت محمدیہ کے کامل و اکمل ہونے سے انکار ہے بعینہٖ اسی طرح وطنیت کا نظریہ بھی امت مسلمہ کی بنیادی سیاست کے کامل ہونے سے انکار کی راہ کھولتا ہے۔ بظاہر نظریہ وطنیت سیاسی نظریہ ہے اور "قادیانی انکار خاتمیت" الٰہیات کا ایک مسئلہ ہے لیکن ان دونوں میں ایک گہرا معنوی تعلق ہے جس کی توضیح صرف اسی وقت ہو سکے گی، جب کوئی دقیق النظر مسلمان مورخ ہندی مسلمانوں اور بالخصوص ان کے بعض بظاہر مستعد فرقوں کے دینی افکار کی تاریخ مرتب کرے گا۔

خاتمہ

اس مضمون کو میں خاقانی کے ان دو شعروں پر ختم کرتا ہوں۔ جن میں اس نے اپنے ان معاصر حکمائے اسلام کو مخاطب کیا ہے جو حقائق اسلامیہ کو یونانی فلسفہ کی روشنی میں بیان کرنا فضل و کمال کی انتہا سمجھتے تھے۔ تھوڑے سے معنوی تغیر کے ساتھ یہ اشعار

آج کل کے مسلمان سیاسی مفکرین پر بھی صادق آتے ہیں۔ ؎

مرکب دیں کہ زادۂ عرب است ۔ داغ یونانش بر کفل منہید
رشتۂ اطفال نو تعلیم را ۔ لوح ادبار در بغل منہید

(روزنامہ احسان لاہور ۔ ۹ ، مارچ ۱۹۳۸ء)

تین سچی باتیں

(۱)

موجودہ زمانے میں کسی مہذب انسان کیلئے اپنے شہر، اپنے ملک اور دنیا کے واقعات وحالات سے بے خبر رہنا مناسب نہیں ہے۔

(۲)

کوئی شخص حالاتِ حاضرہ سے پوری طرح باخبر نہیں رہ سکتا، جبتک کہ وہ کم از کم ایک روزانہ اخبار کا مطالعہ اپنے اوپر لازم نہ کرلے۔

(۳)

روزنامہ شمس ملتان شہر جو ۱۹۳۷ء سے کامیابی کے ساتھ جاری ہے اردو کا سب سے سستا روزانہ اخبار ہے۔

مطبع شمس ملتان شہر

کی تین خصوصیات

(۱) چھپائی عمدہ اور اعلیٰ

(۲) نرخ واجبی اور مناسب

(۳) کام ہمیشہ حسب وعدہ